امام حسنؑ — ملوکیت والے اسلام سے امامت والے اسلام کے مقابلہ کے مظہر

ترجمہ از اسوہ ہائے جاوید (فارسی) تصنیف پروفیسر علامہ سید علی محمد نقوی

مترجمہ: بنت زہراءنقوی ندیؔ الہندی معلمہ جامعۃ الزہراء، تنظیم المکاتب، لکھنؤ

اللہ تعالیٰ نے ائمہؑ کو امت کے لئے نمونہ بنایا ہے۔ اسی وجہ سے ہر امامؑ کو مختلف سیاسی اور سماجی ماحول ملا تا کہ معاشرے میں موجود مختلف مسائل سے متعلق ان کا ردعمل سامنے آئے اور اس طرح مسلمانوں کے عملی راہنما بن سکیں۔ انہوں نے مخالفوں سے مقابلے کے مختلف انداز اور طریقے اپنائے اور یہ دکھایا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ زمانے کے حالات کے مطابق لائحۂ عمل اختیار کریں، مگر ان سب کا متفقہ مقصد دین کی حفاظت اور اسلام کی برتری ہو۔ اماموں کے مقابلے کی صورتیں اور ڈھنگ تو مختلف تھے مگر مقصد مشترک تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ کسی نے مسلح جنگ کے ذریعہ مقصد میں کامیابی حاصل کی، کسی نے صلح کے ذریعہ۔ ان تمام پیشواؤں میں امام حسنؑ کے حالات اوران کی جنگ کا انداز ایک مخصوص خصوصیت کا حامل ہے۔

امام حسن علیہ السلام ملوکیت کے مقابلہ میں امامت کے علمبردار ہیں

حضرت معاویہ اسلام کے سیاسی نظام کو ''امامت'' سے بدل کر ''ملوکیت'' (شاہی/سامرج) کی شکل میں لانے کے بانی اور نمونہ ہیں۔ جو مقابلہ امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان ہوا، وہ دراصل امامت اور ملوکیت کا مقابلہ تھا۔

''امامت'' کا حتمی مقصد اسلام کو رواج دینا تھا جبکہ اس کے برعکس ''ملوکیت'' کا مقصد اسلام کے نام پر حصول اقتدار کی خاطر ہر حربہ کا استعمال کرنا تھا، جبکہ ''امامت'' سختی کے ساتھ اسلامی اصولوں کی پابند رہی۔

اسلام ملوکیت صرف اسی حد تک اسلام کی نام لیوا تھی اور اسے مانتی تھی جس حد تک اسلام کو ماننا اور اس کا نام لینا عوام کو فریب کے جال میں پھنسانے میں کارآمد ہو جبکہ ''امامت'' اسی حد تک اقتدار کی خواستگار تھی جتنا تحفظ اسلام کے لئے مفید ہو، یہاں تک کہ 'امامت' تحفظ اسلام کی خاطر اقتدار سے دست بردار ہونے تک کو تیار تھی۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ جو اقتدار اسلام کی خدمت کے کام نہ آئے اس اقتدار کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

'امامت' کا محور حقیقت تھا اور اس کا معیار قرآن اور سنت تھا جبکہ ملوکیت بنام اسلام کا محور ذاتی مفاد اور اس کا معیار ایران وروم کا دربار (سامراج) تھا۔ چنانچہ 'ملوکیت' ''مصلحت جو'' رہی اور 'امامت' ''حقیقت جو''۔ اسی وجہ سے ''امامت'' میں اقتدار موروثی نہیں ہوتا جب کہ ''ملوکیت'' میں حکومت موروثی ہوتی ہے۔ 'امامت والے اسلام' میں سیاسی مراکز مسجدیں ہوتی ہیں جبکہ ''ملوکیت والے اسلام'' میں عظیم الشان محل سیاسی مراکز ہوتے ہیں۔ امامت والے اسلام میں بیت المال کو خدا اور امت کی امانت تصور کیا جاتا ہے اور حکومتی اسلام میں خلیفہ کا ذاتی مال سمجھا جاتا ہے۔ امامت والے اسلام میں تمام سماجی کام عوام کے مشورہ سے ہوتا ہے اور عوام کو اس کا حق ہوتا ہے کہ جائز کی موافقت اور ناجائز کی مخالفت کریں جبکہ اس کے برعکس ملوکیت میں عوام کی زبانوں پر قفل لگا دئے جاتے ہیں، حجر بن عدی جیسے

لوگ شہید کردئے جاتے ہیں، قتل وغارتگری، خوف ودہشت، ظلم وجبر اور پابندی کا نظام رائج ہوتا ہے۔ امامت میں قاضی (جج) احکام خداوندی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور ملوکیت میں خلیفہ کی ضرورت اور مرضی کے مطابق احکامات نافذ ہوتے ہیں۔

امام حسنؑ اور معاویہ کا مقابلہ اقتدار کے دو دعویداروں کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ 'امامت' اور 'ملوکیت' کا مقابلہ ہے، دو طرز فکر اور دو راہ عمل کا مقابلہ ہے۔ امام حسنؑ جن لوگوں کے مقابلے پر تھے، وہ حقیقتاً مسلمان نہیں تھے بلکہ اسلام کی نقاب میں اسلام دشمن عناصر تھے۔ بھیڑ کی کھال میں بھیڑئے تھے۔ یہ وہ انقلاب مخالف عناصر تھے جن کو مشرکین مکہ کے سردار ابوسفیان نے جنم دیا تھا، جن کے دل میں انقلاب اسلام کے خلاف کینے کا جوالامکھی پھوٹ رہا تھا۔ یہ لوگ اندر ہی اندر دھیرے دھیرے انقلاب (اسلام) کے خلاف کھچڑی پکا رہے تھے۔ اس موقع پر جبکہ معیار (Quality) کو مقدار (Quantity) پر قربان کیا جا رہا تھا، امام حسنؑ ان انقلاب مخالفوں سے نبرد آزما تھے جو ''ملوکیت بنام اسلام'' کی صورت میں نمودار ہوئے تھے۔

امام حسن علیہ السلام نے صلح کیوں کی؟

امام حسنؑ نے صلح کیوں کی؟ اور اقتدار کو ملوکیت کے علمدار اور جاہلی بغاوت کے سربراہوں کے حوالے کیوں کردیا؟ اس سوال کے جواب کے لئے لازم ہے کہ مندرجہ ذیل تین نکات پر نظر رکھیں۔

(۱) پہلی بات یہ کہ چونکہ سلطنت روم وشام وایران کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں غلط سیاست 'مقدار' کی طرف انحراف اور 'معیار' کی طرف سے عدم توجہی کی وجہ سے مسلمان تو ہوگئے تھے مگر ان کے خیالات اور طرز فکر میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا جب انہیں ملوکیت میں اپنی سابقہ تہذیب، اخلاق اور طرز فکر کی جھلکیاں نظر آئیں تو امام حسنؑ کی سربراہی کے مقابلے میں جاہلیت کے تدریجی انقلاب کے سربراہوں کے تابع (Follower) ہوگئے۔ انہیں اسی میں بہتری اور بھلائی نظر آئی۔

نئے مسلمانوں کے قلب وضمیر اور رگ وپے میں صحیح روح اسلام کے سرایت نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی سابقہ تہذیب، عادات اور طرز فکر سے مماثلت کی بنا پر سلطنت روم وایران کے عادات، تہذیب اور طرز فکر سے بآسانی مانوس ہوگئے اور اسی کو اپنا لیا۔ اس طرح معاویہ کی حکومت کے استقرار اور موروثی سلطنت کی بنیاد کے استحکام کے لئے زمین ہموار ہوتی گئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ معاویہ کا دارالسلطنت شام ہے جہاں کے عوام قیصر وکسریٰ کے نظام کے عادی ہو چکے تھے۔

پیغمبر اسلامؐ کے بعد اسلامی نظام، جیسا کہ حضرت علیؑ چاہتے تھے، رائج نہ ہوسکا۔ ''معیار''، ''مقدار'' پر قربان ہو چکا تھا۔ حضرت علیؑ اس نظریہ کے حامی تھے کہ اسلامی سلطنت کی حدود اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ سے زیادہ ضروری مسلمانوں کی موجودہ تعداد میں عقائد، اخلاق اور کردار کو پائدار کیا جانا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کے بعد کے ابتدائی برسوں میں قوت ایمان کی بنا پر اسلام کی سیاسی سرحدوں میں بے مثال توسیع ہوئی اور مختلف تہذیب، عقائد اور ملت کے افراد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، مگر ان کے اس دینی اور فکری انقلاب کی طرف مناسب توجہ نہیں دی گئی جس کی حضرت علیؑ سخت تاکید فرماتے تھے۔ دوسروں سے امیرالمومنینؑ کے نظریاتی اختلافات کے اسباب میں یہ بات بھی شامل تھی۔ ہم اسے ''معیار'' کو ''مقدار'' پر قربان کرنا کہتے ہیں۔ تاریخی رو میں مسلمانوں کی بے انتہا بدنصیبی کی وجہ یہی ہے۔

(۲) دوسری بات: جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ''ملوکیت'' والے اسلام میں جس کا حتمی مقصد اقتدار ہے اور اسلام اس مقصد کے حصول کے ایک ذریعہ کے علاوہ کچھ نہیں، وہیں ''امامت'' کے اسلام میں اعلیٰ مقصد اسلام ہے جب کہ

اقتدار محض استقرار اسلام کا ایک ذریعہ ہے، جس کے وسیلہ سے اگر اسلامی خدمات انجام نہ دی جاسکیں تو اقتدار کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔ امام حسنؑ بھی اگر حضرت معاویہ ہی کی طرح اقتدار بچانے کی خاطر ہر کام انجام دیتے، تو بلا شبہ اپنے لئے ''خلیفۃ المسلمین'' کا خطاب اختیار کر سکتے تھے۔ مگر جیسے ہی انہیں محسوس ہوا کہ اقتدار کے تحفظ کے بجائے اقتدار چھوڑ کر ہی اسلام سے وفا کی جاسکتی ہے، ویسے ہی اقتدار سے دست بردار ہو گئے، کیونکہ ان کا مقصد 'اسلام' تھا، اقتدار نہیں تھا۔

(۳) تیسری بات: چونکہ امام حسنؑ ایک ایسے دشمن کے مقابلہ پر تھے جو اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا، اس لئے صورت حال انتہائی پیچیدہ، مبہم اور غیر واضح تھی، ساتھ ہی جاہلیت کی ایسی تدریجی بغاوت سے سامنا تھا جس کے چہرہ پر اسلام کی نقاب تھی۔ ان حالات میں اس سے مسلح جنگ سے کسی فائدہ کی توقع نہ تھی، لہٰذا ضرورت اس بات کی تھی کہ نیا انداز بروئے کار لایا جائے کیونکہ وہ چاہتے تھے، ''جاہلیت قریش'' کے مکروہ چہرہ پر جو نقلی اسلام کی حسین و دلفریب نقاب پڑی ہوئی ہے، اسے تار تار کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ امام حسنؑ محسوس کر رہے تھے کہ ایک چیز ایسی تھی جو معاویہ سے بھی بڑھ کر خطرناک تھی اور وہ تھی ''تہذیب معاویہ'' یا ''ملوکیت''، چنانچہ ایسے اقدام کی ضرورت تھی جس سے اس ''آمیزش'' کا خاتمہ ہو جائے اور اسلام اور اصول اسلام ملوکیت اور سیرت سلاطین سے بالکل علیحدہ ہو جائیں۔

اس دور کے حالات اور ''معیار'' (یعنی جوہر اسلام) کے مقدار (یعنی مسلمانوں کی تعداد) پر قربان ہو جانے کے سبب سے ''تہذیب معاویہ'' کی وسعت کے لئے زمین بالکل ہموار تھی۔ ایسے میں ایسی کارروائی کی ضرورت تھی جس سے معاویہ کی (ظاہری) فتح ''تہذیب معاویہ'' کے خاتمہ کی صورت میں ابدی اور دائمی شکست کی آغوش میں موت کی نیند سو جائے۔

امام حسنؑ نے محسوس کیا کہ معاویہ کو فوجی پیمانے پر شکست دینا کافی نہیں ہے اور نہ ہی یہ سیاسی حالات کے اعتبار سے آسان ہے۔ لہٰذا جو طریقہ طویل مدت میں دائمی طور پر اثر انداز ہو سکتا ہے، وہ معاویہ کی اصلیت کو بے نقاب کرتا ہے۔ لہٰذا امام حسنؑ اس نتیجہ پر پہنچے کہ معاویہ کی اصلیت کو بے نقاب کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ اقتدار اس کے حوالے کر دیا جائے تاکہ اس کی اصلی شکل ظاہر ہو جائے، معاویہ یزید کی شکل اختیار کرے اور 'نقاب پوش نفاق' 'بے نقاب کفر' کی صورت اختیار کر لے، اس کا نقلی لبادہ تار تار ہو جائے تاکہ امت اور تاریخ کے لئے فیصلہ آسان اور حق و باطل کا صریحی امتیاز ہو جائے۔

امام حسنؑ نے بظاہر معاویہ کو فتح مند ہو جانے دیا تاکہ تہذیب معاویہ کا طلسم خود بخود ٹوٹ جائے۔ جس طرح ایک ماہر طبیب یا ڈاکٹر عمل جراحی (سرجری) سے پہلے امراض کے غدود کو کافی حد تک بڑھ جانے کی مہلت دیتا ہے اور پھر اس کے بعد ایک ہی عمل جراحی کے ذریعہ مرض کی بیخ کنی کر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح امام حسنؑ نے اپنی صلح کے ذریعہ ملوکیت کے سرطانی غدود (Cancerous Glands) کو اپنی انتہا تک پہنچ جانے کی مہلت دے دی تاکہ وارث حسنؑ سید الشہداء حضرت امام حسینؑ اپنے ایک ہی عمل جراحی (Surgery) سے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔

مندرجہ بالا تین اہم نکات کا غائرانہ جائزہ امام حسنؑ کی صلح کے اسباب کو سمجھنے میں ہمارے لئے کافی ہے۔

امام حسن علیہ السلام نے ترک اقتدار کے ذریعہ کس طرح اسلام کی حفاظت کی؟

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اقتدار معاویہ کا حتمی مقصد تھا اور اسلام مقصد برآوری کا

وسیلہ۔اس کے برخلاف امام حسنؑ کے لئے''اسلام''''مقصد'' تھا اور اقتدار اس کا ایک ممکنہ وسیلہ، اس لئے جب آپ نے یہ دیکھا کہ اقتدار میں رہنے سے نہیں بلکہ اقتدار چھوڑ دینے سے اسلام کی حفاظت ہوسکتی ہے تو آپ اقتدار سے دست بردار ہو گئے۔

اقتدار چھوڑنے سے اسلام کا تحفظ کیونکر ہوتا ہے؟ سب سے پہلے اس نکتہ کی وجہ سے جس کا اشارہ ہم پہلے ہی کر چکے ہیں کہ یہی ایک ایسا طریقہ تھا جس کے ذریعہ حضرت معاویہ کی اصلیت سے نقاب اٹھائی جاسکتی تھی اور''تہذیب معاویہ'' کے طلسم کو توڑا جا سکتا تھا، اس کی وقتی کامیابی ابدی شکست میں تبدیل ہوسکتی تھی اور اس کی تہذیب رسوائے تاریخ ہوسکتی تھی۔

دوسرے یہ کہ اگر امام حسنؑ بھی اسی انداز میں معاویہ کے مقابل آتے تو ممکن تھا کہ عوام''حق''و''باطل'' کی اصل جنگ کو سمجھنے سے قاصر رہ جاتے اور ممکن تھا کہ تاریخ اس جنگ کو محض''حصول اقتدار'' کی ایک جنگ کا نام دے دیتی۔

امام حسنؑ اس جنگ کو''حکومتی جنگ'' کے بجائے ''عوامی جنگ'' کی شکل دینا چاہتے تھے، اقتدار سے اقتدار کا مقابلہ کرنے کے بجائے وہ''حقیقت'' کے ذریعہ''اقتدار'' کی سرکوبی کرنا چاہتے تھے۔ان کی اسی جنگی حکمت عملی (اسٹریٹجی) کا تکملہ کربلا ہے۔امام حسنؑ نے جس جنگ کا آغاز کیا تھا امام حسینؑ نے اسے انجام کو پہنچایا۔امام حسینؑ نے کربلا میں اقتدار کو اپنے لہو سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس طرح سرنگوں کیا کہ تاریخ کے کسی بھی دور میں اس کا سر اونچا نہیں ہوسکتا۔یوں تو معرکۂ کربلا کے عظیم ترین مجاہد(ہیرو) امام حسینؑ تھے مگر جنگی حکمت عملی کا آغاز امام حسنؑ ہی نے کیا تھا۔

''ظلم''کے مقابل''مظلومیت''اور''تلوار'' کے مقابل میں''خون کی دھار''

امام حسنؑ نے ظلم کا مقابلہ مظلومیت کے اسلحہ اور شمشیر کا مقابلہ خون سے کرنے کی بنیاد رکھی، امام حسینؑ نے اسے نتیجہ کی آخری منزل تک پہنچایا۔یہ سوچنا درست ہے کہ امام حسنؑ نے صلح کی تھی اور امام حسینؑ نے جنگ۔مگر امام حسنؑ نے اپنی صلح کے ذریعہ ایسی راہ عمل کا تعین کر دیا تھا جس کا منطقی اور لازمی نتیجہ تھا جنگ، شہادت اور فتح حسینؑ۔امام حسینؑ کا عمل امام حسنؑ کی پالیسی کا تسلسل ہے۔یہ امام حسنؑ ہی تھے جنھوں نے ''ظلم'' کے مقابلے میں''مظلومیت''، شمشیر کے مقابلے میں ''خون''، اقتدار کے مقابلے میں حقیقت اور''تاج'' کے مقابلے میں''عوامی مجاہدہ'' کا آغاز کیا اور امام حسینؑ نے اسی طے شدہ عمل کو بام عروج تک پہنچایا۔

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی اس حکمت عملی سے ایک کثیف حکومت رسوا ہوئی۔اس سے بھی اہم یہ کہ اسلام اور نام نہاد حکومت کی کارستانیوں کے درمیان ایک خط فاصل قائم ہو گیا۔یہی ہمارے پیشوایان دین کی معرکہ آرائی کی سب سے بڑی فتح اور کامیابی ہے۔یہ کام کسی طرح بھی فوجی اقتدار کے ذریعہ نہیں ہوسکتا تھا، نہ ہی اس زمانے کے سیاسی حالات اس کے لئے سازگار تھے۔

امام حسنؑ نے دیکھا کہ فوجی اور سیاسی قوت کے اعتبار سے حالات مکمل طور پر معاویہ کی موافقت میں ہیں۔اگر غیر متوازن مسلح مقابلہ میں وہ اور ان کے رفقاء شہید بھی ہو جائیں تو اس شہادت سے کوئی مفید پہلو برآمد نہیں ہوتا کیونکہ اب تک نفاق کے چہرے پر پڑی ہوئی نقاب ہٹی نہیں ہے۔لہٰذا ممکن ہے کہ آئندہ کی نسلیں اور تاریخ اس جنگ کو حاکم شام اور حاکم عراق کے درمیان دولت و اقتدار کی ایک عام جنگ سے تعبیر کر کے رہ جائیں۔اسی وجہ سے امام حسنؑ نے اپنی صلح کے ذریعہ ایک طرف تو اس جنگ کو دو حاکموں کی جنگ کے بجائے''عوام'' اور''حکومت'' کی جنگ کی شکل دے دی،

دوسری طرف اپنی بچی ہوئی قوت کو محفوظ رکھا تا کہ اظہار حقیقت ہو سکے اور جنگ کی صورت تبدیل ہو کر ''اقتدار'' کے مقابلے میں ''اقتدار'' کے بجائے ''حکومت'' کے مقابلے میں ''عوامی معرکہ'' کی صورت اختیار کر لے اور ایک وقت ایسا آئے جب امویوں کے مکروہ چہرے پر پڑی ہوئی اسلام کی جعلی نقاب تار تار ہو جائے اور ان کی اصلی صورتیں بے نقاب ہو جائیں اور وہی صحیح وقت ہوگا جب شہادتیں کارساز ہوں گی۔

امام حسینؑ اسی بچی ہوئی قلیل قوت کے ساتھ حکومت سے ٹکرائے۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ دو حاکموں کی جنگ تھی کیونکہ ''نفاق'' کے مکروہ چہرہ سے نقاب ہٹ چکی تھی، حقیقت ظاہر چکی تھی اور ظلم رسوا ہو چکا تھا۔

اسی لئے لبنان کے عالم ومجاہد اعظم علامہ شرف الدین نے لکھا ہے: ''عقلمند کی نظر میں روز ساباط (یوم صلح امام حسنؑ) کی فداکاری کے واقعات روز عاشورا سے زیادہ مستحکم ہیں۔ یوم عاشور کی شہادت پہلے تو حسنی شہادت ہے، بعد میں حسینی ہے کیونکہ یہ امام حسنؑ ہی تھے جنھوں نے تحریک عاشورا کے وجود میں آنے کے لئے راہ ہموار کی اور اس تحریک کے نتائج کو زمانے کے آگے پیش کرنے کے قابل بنایا۔

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا عمل بتاتا ہے کہ حق و باطل کی طویل مدتی جنگ کا مقصد ایک ہی ہے۔ البتہ زمان ومکان کے تقاضے سے حکمت عملی اور طریقۂ جنگ میں فرق ہوا ہے کیونکہ ہر جنگ کا طریقہ اور نقشہ اپنی اور دشمن کی طاقت کا اندازہ کرنے کے بعد مرتب کیا جاتا ہے۔ لہٰذا کبھی مسلح مقابلہ کارگر ہوتا ہے اور کبھی اسلحوں کے مقابلے پر مظلومیت نیز شمشیر کے مقابلے پر خون سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔



رباعیات در مدح مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ

جناب فاروقؔ جائسی صاحب، کانپور

''من کنت'' کا فرمان ہوا کس کے لئے
''مولائی'' کا اعلان ہوا کس کے لئے
بستر پہ نبیؐ کے تھا شبِ ہجرت کون
اللہ نگہبان ہوا کس کے لئے



حیدرؓ سا ذی شان بھلا کون ہوا
امت کا نگہبان بھلا کون ہوا
اصحابؓ بڑے ہو کے مسلمان ہوئے
بچپن میں مسلمان بھلا کون ہوا



سب سے بڑے وِدّوان علیؓ مولیٰ ہیں
اللہ کا وردان علیؓ مولیٰ ہیں
ہم بے بس و بے کس کی ہر اک مشکل ہیں
مشکل کا سمادھان علیؓ مولیٰ ہیں

